ابنِ صفی

جلد نمبر
16

جاسوسی دنیا

50- پاگل خانے کا قیدی

51- شعلوں کا ناچ

52- گیارہواں زینہ

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 16

50 پاگل خانے کا قیدی

51 شعلوں کا ناچ

52 گیارہواں زینہ

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر .... خالد سلطان
پرنٹر .... ہاشم انٹرپرائزز

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز
الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 50

پاگل خانے کا قیدی

(مکمل ناول)

پیشرس

پاگل خانے کا قیدی ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملئے۔ حمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام گڈھ کی پُر اسرار فضاؤں میں پروان چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معرکتہ الآرا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ابن صفی کے اندازِ بیان نے اردو میں جاسوسی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوسی ادب میں ابن صفی کے معیار پر پہنچنا ایک لمبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تانے بانے میں اس طرح الجھا دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کرلے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلشر

ایک سفر

کمپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ٹرین فراٹے بھر رہی تھی.... کمپارٹمنٹ ایئر کنڈیشنڈ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور اونگھنے کی بجائے بہت شدت سے بیچین نظر آتے کیونکہ کمپارٹمنٹ کے باہر مئی کا آتش بار سورج اپنی قہر انگیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

کمپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سناٹا اُسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہٰذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی ضخیم کتاب میں سر کھپا رہا تھا۔ مطالعہ میں انہماک اور چیز ہے اور اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی لائبریری کے وسیع کمرے میں تنہا بیٹھا ہو۔ سگار سلگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرمن مصنف کی تصنیف جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آرہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اُسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں.... وہ دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان ایسی لڑکیوں کے لئے عجوبہ ہوگا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو جائے کہ ایک آدھ بار

نظروں کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی پر کشش تھیں کہ ایک معمر آدمی، درد سر کا بہانہ کر کے بار بار آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کبھی کبھی بڑبڑانے بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک معمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی تھیں۔ لیکن پھر بھی اُن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چہرہ بیضوی اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اونچی اور بہت کشادہ... سر پر برف کے سے شفاف بال جنگی تعداد پر شائد عمر کی زیادتی بھی اثرانداز نہیں ہو سکی تھی۔ مجموعی طور پر اُس کا چہرہ نرم دل شفیق آدمیوں کا سا تھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہماک کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کباب ہوا تھا... لیکن.... اس وقت اُسے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ دوسرے اُسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ متواتر چار گھنٹے.... اُسے چار گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب قریب ہی تھا کہ اکتاہٹ دردِ سر میں تبدیل ہو جائے، اچانک اُس کی نظر ایک رومال پر پڑی، جو باتھ روم کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ یہ رومال حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا اور رومال اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"یہ رومال شائد آپ کا ہے۔" حمید نے بوڑھے سے کہا۔

"اوہ.... جی ہاں.... شکریہ....!" بوڑھا رومال لیتا ہوا مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ شائد اُن صاحب کے ساتھ ہیں۔"

"جی ہاں.... وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"بیٹھئے....!" بوڑھا ایک طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "وہ تو بے تحاشا پڑھنے والوں میں سے معلوم

ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔"

"بظاہر....!" بوڑھے نے دہرایا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شائد وہ اُن کی گفتگو سننے لگی تھیں۔

"جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" بوڑھے نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"ایک بہت بڑی بد نصیبی جناب.... وہ ایک جرمن مصنف کی کتاب ہے۔"

"ہاں ہے تو.... میں نے باتھ روم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔"

"لیکن وہ جرمن نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہوئی.... واہ....!" بوڑھا ہنسنے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرائیں۔ حمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب الٹی تھی شائد وہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا کتاب الٹی نہیں ہے۔"

"اَ.... ہا.... ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

اتنے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانو پر رکھ لی۔

"مگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔"

"میں سمجھا تھا واقعی کوئی ذہین اور سنجیدہ لڑکا ہے۔" بوڑھے نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں۔ آکسفورڈ سے ایم۔اے کیا تھا۔ یہی کہا تھا میں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بد نصیبی ہے۔"

"کیا بد نصیبی ہے۔" بوڑھے نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔

"کیا مطلب....!" بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ یہ اُس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردِ سر بنیں۔ یہ

صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔"

"وہ کیسے.....!" بوڑھا پھر دلچسپی لینے لگا تھا اور لڑکیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھیں۔

"ابھی اور اسی وقت.....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اُٹھ کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرین سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹہلنے جارہے ہوں۔"

"اوہ.....!" بوڑھا سر ہلا کر رہ گیا پھر حمید کیطرف دیکھ کر بولا۔ "دوسروں سے جھگڑتے تو نہیں۔"

"نہیں جناب! وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑنا کیسا.....!"

"گھر والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات الٹا کرتے ہیں۔"

"دیکھا تم نے.....!" بوڑھا لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ صاحبزادے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت وعزت کا زیاں ہوتا ہے۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیاں کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں.... کہاں پڑھتے ہو.....! کس ایئر میں.....!"

"میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔" حمید جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔"

"کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی۔"

"نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں مذاق سمجھا تھا۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اُن کے حالات بتاؤ۔ مجھے لوگ ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ کہتے ہیں۔ تم لوگ شائد رام گڈھ جارہے ہو۔"

''ہاں ہم وہیں جارہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کس غرض سے۔''

''علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ گرمیاں گذارنے کے لئے رام گڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔''

''ہاں.... آں.... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکوں۔''

''حالات....!'' حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ ''میں بتا سکتا ہوں لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ میرا مذاق نہیں اڑائیے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہو! اُسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کل طالب علموں میں دوسروں کو بیوقوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا چھچھورا پن ہے۔ بچوں کی سی عادت.... خود نمائی کا خبط.... ہاں تو تم مجھے بتاؤ۔''

''کیا عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مضحکہ خیز ہیں۔ مثلاً رات کو ٹہل کر آئے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لحاف اوڑھا دیا اور خود جا کر چھڑی کی جگہ کونے میں کھڑے ہو گئے.... دیکھئے.... آپ لوگ ہنس رہے ہیں نا.... لاحول ولا قوۃ۔''

حمید بُرا سامنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ لڑکیاں واقعی ہنس رہی تھیں۔

''ہو سکتا ہے.... ہو سکتا ہے۔'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ ''ویسے اس قسم کی باتوں پر ہنسی تو ضرور آئیگی۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا.... ہاں اچھا.... عام حالات میں یادداشت کی کیا کیفیت ہے۔''

''اُدھار لیتے ہیں.... لفظ اُدھار یاد رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا یا دیا تھا۔ لہٰذا کم از کم گھر والے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اُن بیچاروں کو قرض دے کر عموماً پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی ہی رقم پھر کسی موقع پر موصول کر لیتے ہیں کہ تم نے فلاں دن مجھ سے قرض لیا تھا.... اب واپس کرو۔''

''واقعی عجیب کیس ہے۔'' بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ''شادی ہو گئی ہے۔''

''اچھا ہی ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔''

"خواہش کرتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں.... البتہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔"

بوڑھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھر والوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

"ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک بیوقوف ہی بناتے آرہے ہیں۔"

"بچپن میں کیا کیفیت تھی۔"

"بچپن میں حالات پریشان کن تھے۔ والد صاحب کے ساتھ بازار گئے اور اچانک والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اُس کے گھر تک پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھے تو سالن کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کرگئے۔ مار پڑی تو ہنستے ہنستے بیدم ہوگئے۔"

"اور اس کے باوجود بھی.... تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم۔اے کیا ہے۔"

"یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر میں ہے۔ ایک صاحب ان کی سائیکوانیلیسس کرنے بیٹھے تھے۔ وہ تھپڑ پڑا تھا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔"

"تھپڑ....!" ایک لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا نام ہے۔ بہر حال ماہر نفسیات نے ان سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسرا لفظ کہیں گے۔"

"اوہ.... اچھا اچھا....!" بوڑھے نے سر ہلایا۔

"جی ہاں.... ماہر نفسیات نے پہلا لفظ ازار بند کہا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اُس نے کہا نیل پالش.... آپ نے فرمایا چھچھوندر.... پتہ نہیں اور کیا کیا اوٹ پٹانگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفسیات نے کہا گال.... آپ نے تھپڑ کہہ کر ہاتھ گھما دیا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں اور بوڑھا بولا۔ "وہ کوئی عطائی رہا ہوگا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ لغو ہے ویسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گڈھ میں کہاں ٹھہریں گے۔"

"کسی ہوٹل میں....!"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔" اُس نے فریدی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، جو اس وقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔ "یہ کیس میرے لئے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہوگا۔"

"مگر...... میں کیسے عرض کرسکتا ہوں۔ انہیں اس پر رضامند کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔"

"کیوں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ بکواس محض اس لئے شروع کی تھی کہ لڑکیوں کو کچھ دیر ہنسانے کے بعد اُن سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ اچانک اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"آپ کا ذاتی ہسپتال ہے۔"

"ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں سرکاری مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین بھی ہوں۔"

"حمید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"مگر جناب.... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔"

"دیکھئے گا! اگر ہو سکے تو! ویسے اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔"

کہاں تو حمید اس چکر میں تھا کہ کچھ تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اُسے خلجان میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوڑھا واقعی مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین تھا تو فریدی سے رام گڈھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گڈھ جارہا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حمید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہو گئی تھیں، لیکن بار بار اُن کی نظریں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں اور شائد موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو حجامت بننے والی ہے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوگا۔

تین ریوالور

تھوڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی مسکین صورت بنائی جیسے کمسنی ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو۔

ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو برابر کرے۔

"غالباً اب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکنے والی ہے۔" فریدی کتاب پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔ "کافی کے لئے کہہ دینا۔"

"نہیں ڈائننگ کار میں چلیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"بس یونہی دل چاہتا ہے۔"

"غیر ضروری حرکتوں سے احتراز کیا کرو۔"

"یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں مانتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

"آہا.... کوئی خاص بات....!"

"بس اٹھئے! ٹرین رک رہی ہے۔"

"اگر لو لگ گئی تو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے بدلے میں مر جاؤں گا.... بس....!"

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لڑکیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب بھی اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظریں ملیں اور پھر وہ حمید سے بولا۔ "چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔"

گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اُتر کر ڈائننگ کار میں جا بیٹھے۔

"ہاں! کیوں لائے ہو یہاں....!" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے۔"

"میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔"

"نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ "آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔"

"میری عزت! کیا مطلب....!"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ کنفیوز ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے بلکہ ہم دونوں کی عزت۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزتوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائننگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اچھا تو سنئے! اگر آپ پاگل ہیں تو ٹھہرنے کا بھی معقول انتظام ہو سکتا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اُسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

"مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔" حمید نے بسور کر کہا۔

"ارے بکو بھی کچھ....!"

"کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

"معاف کرنے سے پہلے گلا ضرور گھونٹ دوں گا۔ مجھے بور نہ کرو۔"

"اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بچپن ہی سے بگڑا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔"

"میں سچ مچ پاگل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلگا کر اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی برتھ پر بیٹھے تھے۔"

"جی ہاں! مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔"

"پھر! کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں.... میں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھلا اس جملے میں کون سی ایسی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طلب کرنا چاہتے ہو۔ بے تکی باتوں پر تو ہنسی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"ہائے پوری بات تو سنئے۔" حمید کراہ کر بولا.... اور پھر اُس نے مغموم سی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "چلو پروانہ نہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریح کرلی تو اس میں میرا کیا حرج ہے۔ اب تم اُس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضامند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہو جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوٹ ہو ڈیوٹ....!"

"ہائے....!" حمید پھر کراہا۔ "یہی تو مصیبت ہے کہ آپ کو اُس سے دوبارہ بھی ملنا پڑے گا۔ اُس وقت میری کیا پوزیشن ہو گی۔"

"ملنا پڑے گا! کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"وہ مینٹل ہاسپٹل کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین ہے۔"

"کیا....؟" فریدی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا....!"

"مانگو، کیا مانگتے ہو فرزند....!" فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"واپسی کا کرایہ....!" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے۔"

"ہائیں تو کیا معاملہ ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے حمید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوئی ہے۔"

"ارے.... وہ مارا....!" حمید نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کرا دینا کہ آپ والد صاحب کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"اچھا تو کیا.... قیام بھی کیجئے گا اسی کے یہاں....!"

"تمہاری بات تو اُسی صورت میں نبھے گی....!" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کو خبطی بھی بننا پڑے گا۔"

"خبطی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔"

"اور اب مجھے ہر گز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔"

"مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو دس سال سے رام گڈھ کے مینٹل ہاسپٹل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئرمین نے اسکا داخلہ وہاں کرایا تھا۔"

"تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"فی الحال تم معاملے کی بات کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا کہوں! جو کہئے وہ کیا جائے۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھایئے گا۔"

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے رول ادا کر چکے ہو.... خیر ہٹاؤ۔"

"نہیں کہئے کہئے....!" حمید جلدی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ وقت بہت برباد کراتے ہو۔ کافی دیر تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اسٹیشن تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔"

"آپ کام بن جانے کی بعد بھی مجھ پر ردار کھتے رہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجھے اُس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں گے۔"

"کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اُس کی بچی کے اغواء کا الزام ہے۔"

"اتنی ذرا سی بات کے لئے کرنل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔"

"میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ نجی طور پر.... تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریح کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہرگز نہیں لے سکتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پیچیدگی ضرور ہوگی۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔"

"بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو۔"

"کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ.... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا اسٹیشن ہوگا۔ جلدی کرو تاکہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔ یہاں بڑی تپش ہے۔"

حمید نے کافی کا بل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائننگ کار سے اُتر کر اپنے کمپارٹمنٹ میں آ گئے۔

"ہم یہاں تو نہیں تھے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہیں تھے! بھائی صاحب۔" حمید تنگ آ جانے والے انداز میں بولا۔ "یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔"

"بکواس....!" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان ایسا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔" حمید نے برتھ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آہا.... ٹھیک.... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دلچسپی نہیں رکھتے۔"

فریدی برتھ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھالی۔ بوڑھا اب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

حمید اس کے پاس سے اٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

''کیوں.....!'' بوڑھے نے پوچھا۔ ''کیا آپ تیار ہیں۔''

''کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے.... میرے ذہن.... اُف فوہ.... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لُو کا اثر نہ ہو گیا ہو۔''

''جب آپ باہر جارہے تھے میرا دل چاہا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے یکلخت گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔''

''میں کیا کرتا۔ بس سرہی تو ہو گئے کہ ڈائیننگ کار میں چل کر کافی پئیں گے۔''

''کافی! خدا کی پناہ! اس آب و ہوا میں۔''

''اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آجاتی۔ وہ ٹھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی کتا ہو جائے۔''

''شراب بھی پیتے ہیں۔'' بوڑھے نے پوچھا۔

''اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم اُس گلاس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔''

''اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کون سی تجویز پیش کر رہے تھے۔''

''تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھئے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن جایئے اور ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور کیجئے۔ شاید وہ مان جائیں کیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ سر افضال کا حوالہ دے سکتے ہیں۔''

''سر افضال.....!'' بوڑھا بڑبڑایا۔ ''آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''نہیں خاندان تو کچھ ایسا زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''جھوٹی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہا پشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے کرتے جنرل

کے عہدے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک معمولی کسان تھے۔"

"تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"

"بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڈھ کے اسٹیشن پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی صاحب کو شبہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانا.... اور وہاں اسٹیشن پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سفر کیا تھا۔"

"اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ قطعی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائننگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرمن یا فرانسیسی میں ہو اُسے وہ کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرمن یا فرانسیسی لڑکی سے شادی کروں گا، ورنہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

"بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔" بوڑھا مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بار کا ذکر ہے۔" حمید کوئی لطیفہ چھیڑنے ہی جارہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

"خدا خیر کرے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے۔" فریدی غرایا۔

"مم.... میں.... یہیں تو تھا۔"

"میری چھڑی کہاں ہے۔"

"چھڑی.... دیکھئے ہم ٹرین میں ہیں۔"

"آہا.... لاحول ولا قوۃ.... بھئی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔"

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اُس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا۔

"کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیخ کر کہا اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بوکھلا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

کار پر فائرنگ

فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب کھل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائننگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً آدھے منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر اچانک اُن تینوں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے.... زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں خوش ہیں۔ لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آ جائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لڑ سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے پھر.... کیا ہو گا۔ عقلمند وہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے بچے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔"

"میں اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کراؤں گا۔" حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چیخا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ "حضرت نوحؑ کا لڑکا طوفان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا.... ہاں تو صاحبان.... اپنی زندگی کا بیمہ کرانا نہ بھولئے.... اور گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ ہزاروں آسانیاں.... سینکڑوں کفائتیں اور کفالتیں....!"

اس نے جیب سے گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر نکال کر کمپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کردیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرور انگیز طمانیت بھی محسوس کررہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بوڑھے ڈاکٹر نے لٹریچر نہیں لیا۔ حمید نے بھی انکار کردیا۔ لیکن فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ.... کیا تم اپنی زندگی کا بیمہ کرا چکے ہو۔“

”قطعی.... سو فیصدی.... میں ہی نہ کراؤں گا۔“

”اگر تم مر جاؤ.... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہوگی.... کیوں؟“

”قطعی.... مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔“

”تو گویا تم سکون سے مر سکتے ہو۔“

”جی ہاں....! مجھے مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہوسکتی۔“

”تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کروگے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اُس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

”ارے.... ارے....!“ وہ ایک طرف کھسک کر کھڑا ہوگیا۔

”نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔“ فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی۔ ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ خون سوار ہو۔

”کیا بات ہے۔ کیا معاملہ ہے۔“ اس کے دونوں ساتھی چیختے ہوئے لپکے۔

”اس کی زندگی کا بیمہ کرنے جارہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔ ”اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آؤ۔“

فریدی نے اس کی گردن پکڑلی اور کمپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما رہا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہرحال فریدی اس کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔ لوگوں نے اُسے الگ کردیا تھا اور بیمہ کمپنی کا لٹریچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”پرواہ نہ کرو دوست۔ مگر تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔“

"جی ہاں جناب!" وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گلا صاف کرنے لگا۔ پھر بولا۔ "خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بُری طرح پیش آتے ہیں۔"

"لیکن یہ طریقہ.... غیر قانونی ہے۔"

"ریوالور نقلی ہیں جناب اور پھر ہماری نیت میں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔"

"مگر یہ طریقہ....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یاد رکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا یہ طریقہ ابھی تک پچانوے فیصدی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم سچ مچ انہیں انجانے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام تر توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی.... حمید کے دل پر چوٹ لگی۔

ٹرین کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ حمید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

"ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"مسخرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گڈھ کی ریلوے لائین پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے بیمہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی اتفاق نہیں ہوا مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے تھے۔"

حمید ہنس کر بولا۔ "ارے وہ تو بس یونہی.... اُس سے کہنے لگے۔ تم نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں اور بوڑھا بھی مسکرا دیا۔

"بھئی مجھے شبہ ہے۔" بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کس بات پر....!"

"ان کی دماغی حالت.... مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔"

"کیوں آپ کو شبہ کیوں ہے؟"

"ایک لمبی بحث ہے! تم اکتا جاؤ گے۔ بہر حال اگر میرے ساتھ قیام کرو تو....!"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ نے میری باتوں پر اعتماد کیوں کر لیا۔"

"تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشانی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ بھی شبہ ظاہر کر رہے تھے۔"

"برخوردار.... تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ کسی اچھے خاصے آدمی کو بھی پاگل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ وہ عام آدمیوں سے ذہنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔"

"مختلف ہونا ہی تو پاگل پن ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پاگل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ کڑوی ہوگی.... ترش بھی ہو سکتی ہے.... نمکین بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔ یا تم ایک عدد سونڈ کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔"

"میں سمجھ گیا آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن آخر یہ اختلاف کس قسم کا ہو سکتا ہے۔"

"اسے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معائنہ کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ اب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گڈھ کے پہاڑ بہت دور دھند میں لپٹے ہوئے نظر آرہے تھے۔

بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت پورے کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مطمئن نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ اُسے مذاق ہی سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔"کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری دلی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی۔"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے ریوالور مضحکہ خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اوہو! تب تو مجھے تمہارا بھی نفسیاتی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفسیاتی تجزیہ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔"لاحول ولا قوۃ۔"

"کیوں لاحول کیوں پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیاتی نفسیہ بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آرہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہوگا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بہتیری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرانے لگا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پاگل ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کیلئے بے قرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا اور چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جھلسا دینے والی گرمی لطیف سی خنکی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیک فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا۔

حمید اٹھ کر اُسکی طرف جھپٹا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔"وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمہ کرالینا چاہئے۔"

"اس وقت تو ناممکن ہے بھائی جان۔" حمید نے کہا۔"ویسے آپکا خیال بالکل درست ہے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی برتھ پر آبیٹھا۔

ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڈھ پہنچی اور بوڑھا ڈاکٹر پروگرام کے مطابق سچ مچ ان دونوں

سے آٹکرایا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں سر افضال کے لڑکے ہو۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... فرمایئے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اوہو.... کیا مجھے نہیں پہچانا۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں۔"

"ہائیں آپ.... اُف فوہ.... کتنے بدل گئے ہیں۔" حمید گرمجوشی میں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تم شائد جمال ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں.... اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔"

"اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔" ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

"اوہو! بھائی جان۔" حمید جلدی سے بولا۔ "یہ نجیب چچا ہیں والد مرحوم ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔"

"اچھا....!" فریدی اس طرح چونکا جیسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ ڈاکٹر سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"یقین مانئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "توقع ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر بولا۔

"نہیں کہئے کہ میں نے معاف کر دیا۔ ورنہ میں ذہنی کوفت میں مبتلا رہوں گا۔" فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"معاف کر دیا بھئی۔" ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ "کیا اسی ٹرین سے اُترے ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید بولا۔

"کہاں قیام ہوگا؟"

"ہوٹل میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"کیا....؟ سر افضال کے لڑکے رام گڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ناممکن....

قطعی ناممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔"

"اوہو.... دیکھئے۔" فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ "آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُن کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں لڑکیاں بے تحاشہ چہک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ کائیں کائیں شروع کر دے لیکن فریدی بار بار اُس کے پیر پر پیر رکھ دیتا تھا۔

یہاں کافی خنکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف تھا اور اونچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے "عجیب" ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ رات "عجیب ترین" ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو تین فائر ہوئے اور کار کے اگلے پہیوں کے ٹائر برسٹ ہو گئے.... کار رک گئی۔ پھر سات آٹھ آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔" کسی نے چیخ کر کہا اور بوڑھا ڈاکٹر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا، جسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔

"کیا سچ مچ بیمہ ہی کرانا پڑے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"یہ دو آدمی اور کون ہیں۔" کار کے اندر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"کمال اور جمال....!" فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال لو۔" کسی نے پھر کہا۔

بوڑھا ڈاکٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید بھی نیچے اُتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

"تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ایک آدمی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں یقیناً ریوالور ہی تھا۔ اندھیرا ضرور تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریوالور تو نظر آسکتا تھا اور آدمیوں کی

تعداد بھی معلوم کی جا سکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ارے.... یہ تو وہی مردود معلوم ہوتا ہے۔" کسی نے کہا۔ "جس نے ٹرین میں میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی.... اس کے ہاتھ پیر تو ضرور توڑے جائیں گے۔"

جنگ اور پسپائی

حمید سناٹے میں آ گیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اُس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی جس نے ٹرین میں ریوالور دکھا کر بیمہ کمپنی کی پبلسٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔" کسی نے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر حملہ کر چکا تھا۔

"مارو.... ہاں مارو۔" وہ اُسے دبوچ کر ریوالور والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

حمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ اُن آدمیوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے لڑکیوں کو گھیر رکھا تھا۔

"تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فضا میں بلند ہو کر ریوالور والے پر گرا اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ فریدی نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریوالور اُس کے قبضے میں آ چکا تھا۔

دوسری طرف حمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شائد ریوالور کا وہ چیمبر خالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ اُسے ان کے اس رویئے پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی

طرح دوسرے مجمعے میں جا گھسا۔

حمید کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے درپے کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ گئے.... وہ نکل گئے۔"

بہت دور کسی کار کی عقبی سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جارہی تھی۔ نامعلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غائب تھی۔

"چلو پکڑو انہیں۔" ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے.... فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

"کیا پاگل پن ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بڑبڑایا۔

"عجیب لوگ ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور ڈاکٹر نجیب.... وہ ان سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکیوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا.... اور دیکھو.... شاید وہ دوسری کار بھی اسٹارٹ نہیں ہو رہی ہے۔"

"اور ان لوگوں کی لاپروائی بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔ آپ پاگل خانے کا معائنہ فرمانے کے لئے آئے تھے.... ہاہا....!"

"دیکھو! وہ پھر اِدھر ہی آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہئے۔"

"اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کر دیا تو....!"

"مجھے توقع نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دُوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

نامعلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

"بوڑھا بڑا فتین ہے۔" اُن میں سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر وہ دونوں کہاں گئے۔"

اس کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن کی نظروں میں "اُن دونوں"

کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"اب کھسک چلو یہاں سے۔" کوئی بولا۔ "ورنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔"

"کیا پیدل ہی چلنا پڑے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... خیر دیکھیں گے اُسے۔"

"اگر پولیس کے ساتھ اس کی واپسی کا امکان ہو تو ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"چلو.... وقت نہ برباد کرو۔"

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔

"میں بھی پاگل ہو جاؤں گا جناب بھائی صاحب۔" حمید ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔

"ابھی ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔"

"اور اگر نہیں تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "اُن کے پاس رائفلیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ٹائر پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوالور صرف دھمکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"صرف دھمکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ بیمہ کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔"

"اخذ کر لیا۔"

"کیا اخذ کر لیا۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔"

"خیر پھر کبھی یاد کرنا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سیکنڈ تک اسکے لڑھکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

"مگر حیرت ہے کہ وہ اپنی کار بھی چھوڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس کے ذریعہ تو پتہ چل

ہی جائے گا کہ وہ کون تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ تلاش کر رہا تھا.... پھر وہ اسٹپنی کی طرف گیا اور ٹارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"سامان تو محفوظ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی کار پر پڑی اور فریدی بولا۔ "وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ کار نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔"

"اوہ....!" حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُس ٹیکسی میں بھی کچھ دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

"بہت کچھ چھوڑا ہے جناب۔"

"یعنی....!"

"ہمیں چھوڑ گئے.... یہی کیا کم ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالبًا وہ تین یا چار کاریں تھیں جو آگے پیچھے اسی طرف آ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کار تھی اور وہ ٹھیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور حمید نے اُس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی لوگ اُتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں انکے گرد مسلح کانسٹیبلوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔" پولیس افسر نے فریدی اور حمید سے کہا۔

"اوہ.... جناب وہ لوگ تو بدمعاشوں کی کار لے بھاگے۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "جی

ہاں.... وہ ڈاکٹر نجیب تھے.... سرافضال کے دوست.... گہرے دوست.... جی ہاں....
بدمعاشوں نے ہماری کار پر فائر کر کے اس کے اگلے ٹائر پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے.... جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب ذرا قریب آیئے۔" آفیسر نے مڑے بغیر کہا اور ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"جی ہاں یہ وہی ہیں۔" انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

"ہاں! بتاؤ! تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔" آفیسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

"اوہو....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیوں چچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" نجیب نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں پر شبہہ کر رہے تھے۔"

"خیر.... خیر.... کوئی بات نہیں۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع ہو جائے گی۔"

"اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ۔" آفیسر گرجا۔

"زبردستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔

اچھا....!" پولیس آفیسر غرایا۔ "ان کے ہتھکڑیاں لگادو.... اور تم لوگ کھڑے کیوں ہو.... انہیں تلاش کرو.... جاؤ۔"

سنسان سڑک بھاری قدموں کی آواز سے بجنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "ہمارا سامان احتیاط سے رکھئے گا۔ ہم جلد ہی پھر ملیں گے۔"

"کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔" پولیس آفیسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔

"جی ہاں! اگر لٹا نہ ہو گا تو کار کی اسٹپنی ہی میں ہو گا۔"

"اُسے ہماری کار میں رکھوا دیجئے۔" آفیسر بولا۔

"آپ کو پشیمانی ہو گی جناب۔" حمید نے آفیسر سے کہا۔

"خاموش رہو۔"

"اچھا جناب۔"

فریدی نے حمید کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کرلی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔ ان دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پہیئے تبدیل کراتا رہا تھا۔

لیکن دونوں "مجرموں" کی روانگی کے وقت تک پہیئے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس لئے پولیس آفیسر نے وہاں دو مسلح کانسٹیبل چھوڑ دیئے اور بقیہ لوگ "مجرموں" سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ہی کے الفاظ میں پولیس آفیسر انہیں راستے بھر "بور" کرتا رہا۔ مگر اُن دونوں نے چپ سادھ لی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"غالباً کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"کیوں؟" آفیسر اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں یونہی.... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماتھر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"واہ.... راجہ صاحب۔" دوسرے آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

"ماتھر صاحب سے کوتوالی ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو۔" پہلے آفیسر نے کہا۔

رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن ماتھر فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت اس کا کوتوالی میں موجود ہونا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع براہِ راست ماتھر کو دی تھی اور ماتھر نے ایک ڈی۔ ایس۔ پی کی سرکردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کردیا تھا.... مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن فریدی نے اُسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کردیا۔ پھر بھی وہ کچھ نروس سا نظر

آنے لگا تھا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں اُن تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے ہنس ہنس کر اپنے ہتھکڑیاں لگنے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماتھر بھی ہنستا رہا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور نہ اُن سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور وہ ڈاکٹر کے یہاں کیوں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھکڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

"میں مطمئن ہوں۔" ماتھر اس سے بولا۔ "یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی تک پہنچادو۔ میں انکے اور انکے خاندان والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔"

"تب مجھے بہت افسوس ہے جناب۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید بولا۔ "اکثر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب براہِ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوٹھی تک پہنچانے میں جلدی کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوٹھی ہی میں موجود تھا اور اُس نے اُن دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظروں سے دیکھا اور واپسی بھی ایسی جو انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس جاتے وقت اُس نے بڑی لجاجت سے اُن دونوں سے معافی مانگی تھی۔

"کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟" ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

"آپ سے وعدہ جو کر چکے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ورنہ کم از کم مجھے تو ہوٹل ہی میں آرام ملتا ہے۔ مگر میں والد مرحوم کے کسی دوست کا کہنا کیسے ٹال سکتا ہوں۔"

"اچھا.... اچھا....!" ڈاکٹر نجیب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا تم زندگی بھر

میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔"

ڈاکٹر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یکلخت غائب ہوگئی۔ پیشانی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

دشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کیطرف دیکھا۔

"میں کیا بتاؤں بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اسٹیشن پر خود ہی ملے، خود ہی مدعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کردیا اور اب.... مگر ٹھہریئے! مجھے کچھ یاد آرہا ہے۔"

"کیا یاد آرہا ہے۔"

"ان بدمعاشوں میں میں نے اس آدمی کی آواز بھی سنی تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر تقسیم کیا تھا۔"

"اچھا....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"اسی لئے.... ڈاکٹر صاحب....!"

"بس ختم کرو!" ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی تمہارے لئے کمرے درست کرادیئے گئے ہیں۔"

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حمید نے لاعلمی اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"کیا وہ ہمیں پہچانتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا ہی جانے.... اور وہ گل رُخان ستم بَر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔" حمید بولا۔

"نہیں حمید یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا! دیکھئے۔ میں بوڑھے کو ٹٹولتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یہی کہ وہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ وہ ہمیں چیلنج نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔"

"پھر تم خود ہی سوچو....!"

"دیکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

حمید وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شائد ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور ملازم نے اُسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"سنئے! جناب پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جا رہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبہے میں مبتلا ہیں۔"

"کیا میرا شبہہ غلط ہے۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"ایس۔ پی۔ ماتھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھئے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر شبہہ کیوں کریں۔"

"ماتھر کی کیا حقیقت ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کوئی بڑی رقم.... خیر میں اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔"

''ہم ان حالات میں یہاں ہر گز نہ رہیں گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ ہی کر کیوں نہ لے جانا پڑے۔''

''باندھ کر کیوں لے جانا پڑے گا۔''

''وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ سچ مچ والد صاحب کے دوست ہیں۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔''آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر بگڑتے آئے ہیں۔ میں یہ بات اُن کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شبہہ کر رہے ہیں۔ لیکن وہ برابر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور اُن کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کر دی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔''

''ٹھہرو....!'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جا کر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کیے۔

ادھر حمید لڑکیوں سے کہنے لگا۔''انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھاپائی کرنی پڑے گی۔ لاحول ولا قوۃ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائفلیں بھی تھیں اور ریوالور بھی۔''

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ تم مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مڑتا ہوا بولا۔''میں نے ابھی ماتھر سے گفتگو کی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔''اس نے کیا کہا ہوگا؟''

''یہی کہ ہم سر افضال کے لڑکے ہیں۔''

''اور.... کیا کہا ہوگا؟''

''اور.... اور....!'' حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔''ہاں بھائی صاحب اُس کے کلاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اُس نے یہ ضرور بتایا ہوگا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔''

''اور کچھ.... اور کچھ....!''

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اُس نے بتایا کہ کمال کتوں کا شوقین ہے اور اُنکے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔"

"جی ہاں! ہمارے پاس ایک سو ساٹھ کتے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا "اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے۔ لیکن بھائی صاحب.... واقعی کمال کرتے ہیں۔"

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "بھئی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس قسم کے کتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "افریقی جنگلی نسل کا کتا ڈنگو....!"

"خوب تو گویا تمہارے پاس یلو ڈنگو بھی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یلو ڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"ضرور پڑھا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"آؤ میں تمہیں اپنے کتے دکھاؤں.... اپنے بھائی کو بھی بلالو۔"

"ڈیڈی! کیا اب صبح نہ ہوگی۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت....!" ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہٰذا اس نے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے یہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔

"ڈاکٹر ہمیں اپنے کتے دکھانا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ "ضرور ضرور....!"

اس کی آنکھوں میں اس وقت اس بچے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آرہی تھی جس نے کلاس روم کی بوریت کے دوران میں اچانک چھٹی کی گھنٹی سن پائی ہو۔ ویسے حمید کے کہنے کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا امتحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لایا، جہاں کتے رکھے جاتے تھے۔

اچانک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحیر آمیز بے ساختگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اُسے متحیر کر دینے والی چیز ربر کا ایک پائپ تھا جو راہداری میں دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سرا سامنے والے کمرے کے دروازے کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بجائی اور اُسے بار بار دہراتا رہا.... پھر یک بیک وہ ربر کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہل کی، پھر حمید کو بھی دوڑنا پڑا۔ وہ باہر لان پر نکل آئے۔

یہاں اندھیرا تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر رک کر مایوسانہ انداز میں بولا۔ ''ٹارچ....!''

پھر وہ دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال لی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ سا آ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ٹارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔

حمید ٹارچ اٹھا کر اُسی طرف جھپٹا لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا زلزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چیخیں اور کراہیں بھی فضا میں اُبھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئیں۔

حمید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو زمین پر بیہوش پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط گرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔

دونوں کو کھینچ کر جھاڑی سے نکالا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھ اس کی ٹائی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ ''وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پائپ اسی سے اٹیچ ہے۔''

ڈاکٹر ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ ''وہ سب مر گئے ہوں گے۔''

''کون....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''کتے! اُس کمرے میں کتے تھے۔ ایسے کتے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔''

''اور یہ دونوں کون ہیں۔'' فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور انکے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔'' ڈاکٹر کے لہجے میں سختی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اُس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔"اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔
انہوں نے نفی میں جواب دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔
دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔
"کمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی کو مخاطب کیا۔
"اوہو! شائد آپ فرشتے ہیں۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔
"لیکن یہ دیکھئے.... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"
اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔
"اوہو.... تو تم.... اب تک....!" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔"چلو.... چلو میں دیکھوں.... زرینہ.... صبیحہ تم تجربہ گاہ میں جاکر ڈریسنگ کا سامان تیار کرو۔"
"ہرگز نہیں....!" فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔"جب تک میں ان سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کرلوں، ڈریسنگ نہیں کراؤں گا۔"
"وجہ کا علم شائد ان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔" ڈاکٹر بولا۔"یہ کرائے کے ٹٹو ہیں۔"
دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔"چلئے۔"
"کاش....!" حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑبڑایا۔"میری کھوپڑی بیچ سے دو ہوگئی ہوتی۔"
"جمال میاں....!" فریدی لڑکیوں کیساتھ چلتا ہوا پلٹ کر بولا۔"ان دونوں کا خیال رکھنا۔"
"بہت اچھا بھائی صاحب۔" حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔"کاش تم سچ مچ پاگل ہوتے۔"
"پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔"
"ارے.... ارے! یہ کیا کررہے ہیں آپ....!" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف بڑھا۔
"کچھ نہیں! یہی ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔"تم نہیں سمجھتے۔"
وہ اس کے ہاتھ جو پشت پر بندھے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ آدمی بے تحاشہ بھاگا۔ حمید نے جھپٹنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا جو زمین پر

بیہوش پڑا تھا۔ نوکر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید آپے سے باہر ہو گیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ تم بھی تجربہ گاہ میں جاؤ۔ صبیحہ سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوا دے۔ تم سب بھی جاؤ۔" ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"میں ہر گز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتائیے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ بہ آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفایا کر دیا اور آپ.... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آ چکے تھے۔"

"بس اب جاؤ۔" ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔"

ڈاکٹر کے اس جملے پر حمید نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آ رہا ہے، اس لئے اُسے ناراض نہ کرنا چاہئے۔

"میں جا رہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز.... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن ہیں بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگری سے اُن لوگوں پر حملہ کیا تھا۔"

"مگر آپ کا رویہ.... ڈاکٹر....!"

"اونہہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو.... جاؤ۔"

حمید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بلا اور وہ لوگ کون تھے۔ یقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہ اُسے کیوں بتانے لگا۔

حمید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا اُن کے

پاس ایک جواب تھا۔ ''معلوم نہیں۔''

حمید جھلا گیا۔ اگر یہ اُس کے نوکر ہوتے تو مارتے مارتے بے دم کر دیتا۔

وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ لڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ فریدی نے اتنی ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

دونوں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خود ہی ڈریسنگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈریسنگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ واپسی پر خود ڈاکٹر ہی ڈریسنگ کرے گا۔

''کمال صاحب۔'' یک بیک صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا یہ صحیح ہے کہ آپ... پپ... پا...!''

''شٹ اپ یہ کیا بکواس ہے۔'' زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

''ہاں ہاں کہئے کہئے۔'' فریدی بولا۔

''آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ.... پپ.... پا....!''

''صبیحہ کی بچی....!'' زرینہ چیخی۔

''اچھا جانے دو۔'' صبیحہ گردن جھٹک کر بولی۔

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہوگا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔''

''نہیں نہیں.... یہ غلط ہے۔'' زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ نے اُسے منہ چڑھا دیا۔

''اچھا! آنے دو ڈیڈی کو۔''

''جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں اس کا بُرا نہیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے.... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شائد مجھے اسی لئے رام گڑھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔''

"دیکھئے کمال صاحب.... یہ صبیحہ.... بالکل احمق ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔"

"ہم دونوں پاگل خانے کے چیئر مین کی لڑکیاں ہیں۔" صبیحہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "کمال صاحب! آپ خود سوچئے۔"

"تم خاموش نہیں رہو گی۔" زرینہ پھر جھلا گئی۔

"اور یہ زرینہ۔" صبیحہ نے شوخی سے کہا۔ "بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھ میں اثر کچھ کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔"

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حمید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی ٹھنڈی سانس لی کہ خود اُسے اپنی کھوپڑی منجمد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...!" حمید نے جواب دیا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتایئے... ڈاکٹر نے اُن دونوں کو چھوڑ دیا.... باقی سب خیریت ہے۔"

"چھوڑ دیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

صبیحہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ بولی۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر آدمی نہیں.... بالکل.... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے کتے مر گئے اور انہوں نے مجرموں کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔"

"آہا! ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر نے ایک گیس ماسک منگوایا ہے۔ غالباً وہ اُس کمرے میں جائیں گے جس میں گیس چھوڑی گئی ہے۔"

"کمال ہے بھئی۔" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ "کس دل سے اپنے کتوں کی لاشیں دیکھ سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" صبیحہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں،

لیکن کتوں کی لاشیں تو اُن سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔"

"صبیحہ....!" زرینہ نے اُسے پھر ڈانٹا۔

صبیحہ ایک ہذیانی سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "میں پاگل ہوں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی.... ڈیڈی کا مضحکہ اڑاتی ہو۔"

زرینہ بُرا سامنہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف بڑھی، غالباً وہ گیس ماسک نکالنے جارہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" صبیحہ نے چیلنج کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"فکر نہ کیجئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مار کر اُس کے سامنے آگری۔

"سانپ....!" وہ اٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صبیحہ بدحواسی میں زرینہ کو دروازے تک گھسیٹ لے گئی۔ نوکر برآمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

"اوہو.... ڈرو نہیں....!" فریدی پُرسکون آواز میں بولا۔

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشمِ زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر کیسے پڑا۔ وہ تو بس اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا کیچوا لٹکتا دیکھ رہے تھے۔ اُس نے اُس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چٹکی میں دبا رکھا تھا کہ سانپ کا کھلا ہوا منہ کسی طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" زرینہ پھر چیخی۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب۔" حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہانک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دور کی بات تھی اب وہ لہریں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اُسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد دو عدد گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

"یہیں میرا انتظار کرو۔" اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر سانپ کی طرف دیکھنے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

"کیا یہ زندہ ہے۔" زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔"

حمید نے صبیحہ کی طرف دیکھا جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"کیا الماری مقفل تھی؟" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" اُس نے جواب دیا۔

"کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔"

"نہیں کبھی نہیں....!"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور یقیناً ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔"

حمید خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے ہوئے منہ کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرے ہی لمحے میں اُسے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اُس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اُس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقتاً اُس کے دانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ سچ مچ ایک کیچوے ہی کی طرح بے ضرر تھا۔ زرینہ اور صبیحہ اُس کی حرکتوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُن دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تجربہ گاہ میں بسر کرنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوٹھی میں نہیں جانے دیا۔ اُس کے خیال میں پوری کوٹھی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک خبطی آدمی کا بہترین رول ادا کرتا رہا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مقفل الماری میں کس طرح پہنچا ہو گا۔

دوسری صبح جب حمید اور فریدی لان پر تنہا تھے تو حمید نے پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''کیا آپ نے دیکھا تھا کہ سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔'' اُس نے کہا۔

''ہاں میں نے دیکھا تھا۔''

''اور لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری مقفل تھی۔''

''رہی ہو گی۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔''

''اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔'' فریدی بولا۔

''پھر کیا سمجھوں۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔''

''تو پھر اُس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔''

''اگر آپکے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں روشنی...!'' حمید اکڑ کر بولا۔

"مقصد بھی بتا چکا ہوں۔"

"اچھا تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔"

"اونہہ.... ختم کرو.... ڈاکٹر اپنی طرف آرہا ہے۔"

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آرہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ہلو.... کمال زخم کیسا ہے۔" اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سر پر بندھی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس! کس بات پر۔" فریدی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"پچھلی رات کے واقعات....!" ڈاکٹر کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اوہ....!" فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔ ذہنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کاہل ہو جاتا ہے۔"

"تو تم.... ذہنی ورزش بھی کرتے ہو۔"

"جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور غالباً اس گدھے نے آپ کو بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!"

"آپ کی صاحب زادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔"

"اوہ.... اوہ.... وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔"

"آپ پاگل خانے کے میڈیکل بورڈ کے چیئرمین ہیں نا....!"

"ہاں.... آپ....!"

"اور شائد اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میرا علاج کیا جائے۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"نہیں.... بھئی.... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اسٹیشن پر ملے تھے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"خیر.... خیر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں برباد کریں گے۔"

"نہیں بھئی.... تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے آپ کو فرانسیسی اور جرمن کا لطیفہ بھی سنایا ہو۔"

"کیا وہ بھی غلط ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"سو فیصدی غلط.... محض مجھے غصہ دلانے کے لئے تمام میں کہتا پھرتا ہے کہ میں فرانسیسی اور جرمن سے نابلند ہوں۔"

"مگر.... بھئی.... تم نے وہ کتاب الٹی پکڑ رکھی تھی۔"

"کون سی کتاب....!"

"اوہ.... وہ.... کچھ نہیں.... کچھ نہیں....!" ڈاکٹر فوراً سنبھل گیا۔ کتاب کا واقعہ ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اسٹیشن پر اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔

"نہیں بتایئے کون سی کتاب....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن فریدی نے جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔ حمید اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔

"ارے.... ارے.... ہائیں....!" ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھایئے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں پر ذلیل کرتا پھرتا ہے۔"

"میں سمجھا دوں گا۔ خیر اسے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی ورزش کی بات کر رہے تھے۔"

"جی ہاں.... کیا وہ بھی پاگل پن کی بات تھی۔"

"نہیں.... نہیں.... قطعی نہیں۔"

"ذہنی.... ورزش....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں پچھلی رات کے واقعات پر ذہنی ورزش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری سے سانپ برآمد

ہوا جس میں گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے دانت پہلے ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی چھوڑ دیئے۔“

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اُسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”آؤ.... چلو میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”چلئے....!“ فریدی بولا۔

پاگل کا نشانہ

وہ ڈرائنگ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جاچکا تھا اور لڑکیاں شائد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیحہ حمید کو دیکھ کر مسکرائی اور حمید بھی مسکرادیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

”ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”کیا کہہ رہا تھا۔“ فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

”پچھلی رات کی باتیں جن پر تم ذہنی ورزش کرتے رہے ہو۔“

”آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، محض اس لئے کہ وہ تحیر انگیز ہیں.... انتہائی تحیر انگیز.... ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم اسٹیشن سے اس طرف آرہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ اُن میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے بیمہ کمپنی کے اُس ایجنٹ کی جو ہمیں ٹرین میں ملا تھا۔“

”ڈاکٹر صاحب اُس واقعے سے ناواقف ہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کی عجیب وغریب حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے ایک وہ ایجنٹ ضرور تھا جس نے کمپارٹمنٹ میں ریوالور نکالا تھا۔ اچھا دوسری بات.... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ اُن کے پاس اسلحے بھی موجود تھے۔ پھر یہاں کوٹھی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو

ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، ورنہ وہ سانپ اُسی الماری سے کیوں بر آمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس ماسک کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔ مگر اُس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمایئے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔"

فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

"کون....!"

"چند نامعلوم آدمی....!"

"کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"تاکہ میں کوٹھی چھوڑ دوں۔"

"کیا یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچیس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔"

"کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتایئے۔ میں اُن سے سمجھ لوں گا۔ کیپٹن ماتھر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔"

"پھر کیوں نہیں لی....!"

"وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو....!"

"کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔"

"یہ ایک راز ہے۔"

"لیکن.... میری یہ چوٹ....!" فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماتھر کو اس کی اطلاع دے دوں۔"

"خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔" صبیحہ بول پڑی اور ڈاکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"میں ضرور اُسے مطلع کروں گا۔"

"تم میرا کہنا نہیں سنو گے.... سر افضال....!"

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آخر وہ راز کیسا ہے؟"

ڈاکٹر تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ ہی سکوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں بتا دوں گا مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔"

"سن رہے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو ہڈیاں پسلیاں ایک کر دوں گا۔"

"میں کسی سے نہیں کہوں گا۔" حمید نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ "اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔"

"دفینہ....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور اُس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطعی بناوٹی ہے۔ اس کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

"دفینہ....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے یہ عمارت بحری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ یہاں تنہا رہتا تھا اور جس دن اُس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی، اُس سے پندرہ دن بعد کوٹھی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیسرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ایک ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے پُراسرار آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ کی کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو اُن پر گولیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو کبھی نہیں دی، بہر حال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر مجھے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع میں کچھ لوگوں نے کوٹھی خریدنے کی پیشکش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پچیس

سال ہوگئے ان بکھیڑوں میں پڑے ہوئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوٹھی میں گھس کر اُسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحاناً میں نے اکثر کوٹھی کو ایک ایک ہفتہ کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچیس سال سے.... خدا کی پناہ.... اور اب وہ اس بات پر اُتر آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو مجھ سے کوٹھی خالی کرالیں۔"

ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔ جسکے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوٹھی کھود ڈالی جائے گی.... دفینہ نہ ہو تب بھی پولیس یہ جاننا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم چپ رہو....!" ڈاکٹر نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ڈیڈی میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ضرور ہو جاؤ۔"

"آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔" فریدی نے اُسے اطمینان دلایا۔ "بس دیکھتی رہئے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے۔" صبیحہ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں اُن گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔" فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہوں۔ میرا نشانہ بڑا شاندار ہے۔ جمال ذرا اٹھنا تو.... شاباش....!"

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

حمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اُسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

پھر کھینچتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی، ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا

ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر حمید کے سر پر رکھ دیا اور حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی.... فریدی اُس گلاس پر نشانہ لگانے جارہا تھا۔

"کیا کرنے جارہے ہو تم....!" دفعتاً ڈاکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نشانہ دیکھئے میرا۔"

"ارے نہیں.... خبردار....!" ڈاکٹر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائر ہو چکا تھا۔ گلاس کے پرزے اڑ چکے تھے اور حمید کھڑا اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو.... بولو....!" ڈاکٹر نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نالائق مر جاتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی توقع کر سکتے ہیں۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔"

"اور یہ گدھا مجھے پاگل کہہ کر بدنام کرتا پھرتا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں محترمہ صبیحہ....!" فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

"اوہو.... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔" صبیحہ نے جواب دیا۔

"بہرحال کہا تھا....!"

"نہیں کہا تھا۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "صبیحہ تم آخر شرارت سے باز کیوں نہیں آتیں۔"

صبیحہ کچھ نہیں بولی۔

"کہئے تو.... اور دکھاؤں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ناک پر بسکٹ رکھ کر...."

"نہیں.... نہیں.... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

"خیر.... ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ کون لوگ ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تنہا نہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اُس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ

ہو جائے۔"

"میں کیسے بتا سکتا ہوں جب کہ وہ کبھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔"

"انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوٹھی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔"اُن میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر اُسے کس طرح مرعوب کرو گے.... وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت آدمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے.... صرف پتہ بتادیجئے۔"

"نہیں بھئی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھے تو....!"

"نہیں.... میں پاگل نہیں ہوں.... حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے.... کہ اگر میں پاگل ہوتا تو مجھے ریوالور کا لائسنس کیسے مل جاتا۔"

"میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا۔" ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

"تو پھر بتادیجئے۔"

"سردار محمود.... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔"

"پتہ بتایئے۔"

"جس سے بھی پوچھو گے بتادے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔"

"اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔" فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑبڑایا۔

"مگر تم کرو گے کیا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اُس سے زیادہ پریشان کروں گا جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں۔"

"دیکھو بھئی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اسکی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"زبان تو بند رہے گی لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جاسکتے۔"

"سردار محمود کے یہاں بم کیوں نہ پھینکا جائے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"کوئی مرے گا نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ دھوئیں کا بم ہوگا۔"

"دھوئیں کا بم لاؤ گے کہاں سے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں سائینس کا گریجویٹ ہوں۔" فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"یعنی تم خود بنالو گے۔"

"قطعی.....!"

"نہیں..... میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔" فریدی اپنی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔"اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناشتے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لان پر آبیٹھے۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔"لڑکیوں پر رنگ تو خوب جمایا مگر ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔"

"اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تمہارے ذہن میں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"عرف عام میں ہم اُسے بنڈل کہیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی سی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کر اُسے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چغد ہوں۔"

"خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اُس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جما دیا۔

برآمدے سے صبیحہ انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ "ہاں.... ہاں" کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید سچ مچ جھلا گیا۔ صبیحہ اُن کے درمیان میں آگئی۔

"آپ ہٹ جائیے براہِ کرم.....!" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"آپ خواہ مخواہ.....!"

"نہیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آسکتا ہے۔"

پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔" چلئے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار.....!"

فریدی وہیں کھڑا رہا اور وہ حمید کو کوٹھی کی طرف گھسیٹ لے گئی۔

دھماکہ

صبیحہ نے لائبریری میں پہنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھول جاتی تھی۔

"اگر میں اسے قینچی سے اڑا دوں تو کیسی رہے۔"

"ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسا مسئلہ....؟"

"میں اس سے ایک مصنوعی مونچھ بنا ڈالوں اور پھر بھیس بدل کر اُن لوگوں کی حجامت بناؤں جو دفینے کے چکر میں ہیں۔"

صبیحہ ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔" حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادت مند کیوں ہیں؟"

"نہیں آپ مجھ سے اُسی کہانی کی بات کیجئے۔"

"مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔"

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مر جانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔ نہ ڈیڈی یہ کوٹھی چھوڑتے ہیں اور نہ.... میں کہتی ہوں کیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔"

"کیوں....!"

"آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی افسوس

ناک ہے۔ میں اسے سعادت مندی نہیں بلکہ بزدلی سمجھتی ہوں۔ آپ چپ چاپ پٹتے رہتے ہیں۔ چھی چھی.... بلکہ لاحول ولا قوۃ۔"

"میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔"

"طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔" صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لڑکی بھی نوعیت کے اعتبار یکتا معلوم ہوتی تھی۔ یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھسنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حمید نے سوچا کہ اسے شیشے میں اتارنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

"ہمت! ہمت سے کیا بنتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کن لہجے میں بولا۔

"جوڈو سمجھتے ہیں آپ....!" صبیحہ نے پوچھا۔

"بچپن میں سمجھتا تھا اب بھول گیا ہوں۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڈو یا جیو جیتو.... کشتی کا جاپانی طریقہ۔"

"اوہو! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔"

"میں آپکی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک باتصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسانی مشق بہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا۔" حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اُس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال لائی۔ "دو طریقے ہیں" وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ "جو ہاتھی کو مچھر سے زیر کرادیں۔"

حمید مضطربانہ انداز میں جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا۔

"صبیحہ خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔" انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی، جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

"خدا کے لئے تم میری سراغ رسانی ترک کردو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔

پھر دونوں میں سچ مچ جھڑپ ہوگئی۔ زرینہ لڑنے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اُس کے منہ سے ایک بات نکلتی، صبیحہ دس سنا ڈالتی لیکن آخر کار پسپا اُسی کو ہونا پڑا۔ وہ چنخنی چنگھاڑتی اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرتاً صبیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اس غل غپاڑے کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پُر سکون نظر آرہی تھی۔

"دیکھئے! آپ اس کے چکر میں نہ پڑیئے گا۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔ "اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے تو خواہ مخواہ آپ کو بہت بھگتنا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکروں میں سر پھٹول کراتی رہتی ہے۔"

"اچھا!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"خود ڈیڈی بھی اس سے عاجز ہیں۔"

"یہ آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔"

"مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیڈی کا احترام نہیں کرتی تو میرا کیا کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کیطرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے۔"

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ آس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لائبریری میں واپس چلا گیا۔

"دیکھئے!" اُس نے زرینہ کو مخاطب کیا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھوٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"میں نے سنا تھا۔" زرینہ بولی۔ "لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیڈی جھوٹ بولیں گے، وہ بہت اونچے آدمی ہیں۔"

"کیا یہ کوٹھی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

"بدتمیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔"

"عمر....!" زرینہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔" حمید نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

"اوہو.... اس کی ضرورت نہیں۔" زرینہ مسکرائی۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح عمر معلوم نہیں.... ڈیڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ماہر

نفسیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بناء پر ڈیڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں دلوائی۔"

"بھلا وہ کیسا تجربہ ہوگا۔" حمید نے تحیر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ڈیڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اگر آدمی کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوانی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دو سال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریئے کا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"خوب! کمال ہے۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اچھا....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہیئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔"

"میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گذاری کے طور پر سمجھ لیجئے۔"

"شوق سے پڑھئے۔ آدمی کو بس اپنی عقل درست رکھنی چاہئے۔"

زرینہ چلی گئی اور حمید اُن دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا.... دونوں میں کتنا تضاد ہے۔ پھر اُسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا لطیفہ تھا۔ نفسیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی.... مگر....؟ ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگیز.... کیا اُسے توقع ہے کہ وہ ان لڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ کتاب ہی تکمیل پا سکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ماتھر کو فون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔

حمید رات بھر اطمینان سے خراٹے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ

فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اُس کے کمرے کا دروازہ پیٹے جارہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اُسے جگا دیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا لبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی۔ اُس کے ہاتھ میں شائد آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

"واقعی آپ کے بھائی صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔" اُس نے حمید کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھئے....!" اُس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔

"سردار محمود کی کوٹھی میں پُر اسرار دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب وجوار میں کافی ہیجان پایا جارہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کا بم تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ اُن کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔"

حمید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور وہ حضرت ابھی تک واپس نہیں آئے۔" صبیحہ نے کہا۔

"نہیں آئے۔" حمید نے خواہ مخواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ اُن کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دفینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔"

"مجھے جانا چاہئے۔"

"کہاں؟"

"بھائی صاحب کی تلاش میں۔"

"آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔"

"جی ہاں....!"

”جائیداد یقیناً بڑی ہو گی اور بینک بیلنس بھی۔“

”جی ہاں! خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔“

”تب پھر آپ انہیں مر ہی جانے دیجئے۔“

”کیا لغویت ہے؟“ حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

”لغویت نہیں۔ اُن کے مر جانے پر آپ جائیداد کے تنہا مالک ہوں گے۔“

”آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔“

”حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کہی ہے۔“

”تو اس طرح آپ محترمہ زرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔“

”یقیناً میرا بس چلے تو میں اُسے آج ہی مار ڈالوں۔“

”ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہرانے کی ہمت ہے۔“

”اوہو! ڈیڈی....!“ صبیحہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔ ”انہیں تو جب چاہوں زہر دے دوں۔“

”اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے۔ میں پولیس کو اطلاع دینے جا رہی ہوں کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔“

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گیا۔

”مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خواہ مخواہ ایک شریف۔ آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوٹھی خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہو لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کا ہاتھ ہے۔“

حمید میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سراسیمگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

”اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔“ صبیحہ پھر بولی۔ ”میں انہیں پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی اور آپ جیل کے منتظر رہئے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“ حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"آپ نے.....!" وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ "خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں۔ آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔"

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور حمید نے موج میں آکر آنکھیں بند کرلیں۔ صبیحہ سر سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلانے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان پر محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبیحہ نے گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھرپور ہاتھ رسید کردیا تھا اور پھر اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ وہاں سے ہوا ہوگئی۔ حمید ایک ہاتھ داہنے گال پر رکھے اور بُرا سامنہ بنائے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تھپڑ رسید کرلے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

"تم نے دیکھی وہ خبر۔" اُس نے آتے ہی کہا۔ اس کے لہجے میں مسرت آمیز لرزش تھی۔

"جی ہاں دیکھ لی۔" حمید نے اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہاں۔"

"پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے اُن کی ذہنی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سنکی کہا جاسکتا ہے۔ پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہئے۔ اب کوئی ایسی حرکت ہونی چاہئے جس سے سردار محمود کو علم ہوجائے کہ اس دھماکے کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔"

نمبر چوالیس

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اُسے ذرہ برابر بھی تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس نے سردار محمود کے

خلاف وہ حرکت کرڈالی تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اُسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی لڑکیاں پُر اسرار معلوم ہو رہی تھیں اور صبیحہ اُسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر ہی باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماتھر سے بھی ملتا چلے، ممکن ہے فریدی سے وہیں ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماتھر کے بنگلے میں موجود تھا اور بہت اچھے موڈ میں تھا۔ حمید نے اُسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ دھوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ ویسے صبیحہ کو دفینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں۔''

''میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''پھر آپ نے سردار محمود کی کوٹھی میں بم کیوں پھینکا تھا۔''

''وہ تو آج بھی پھینکا جائے گا۔''

''آخر معاملہ کیا ہے؟''

''تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہو سکے تو کل ڈاکٹر کو گھر سے باہر ہی نہ نکلنے دینا۔ مگر نہیں.... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظام کرلوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کرسکو گے۔ یہ بہت ضروری ہے.... خواہ تمہیں اس کے تار ہی کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔''

''آخر کیوں....!''

''کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ وہاں کے انتظامی اُمور میں بھی دخیل ہے اور اسکی لاعلمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخلے کے اجازت نامے پر اُسکے دستخط ہونے ہر حال میں لازمی ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اچھا۔ میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔''

''کیسے روکو گے۔''

''نہایت آسانی سے۔ آپ یہی چاہتے ہیں ناکہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر کسی سے گفتگو کر سکے۔''

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تو یہ ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اُس کی دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی باندھ کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت نرمی سے کہا۔ "میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"پھر اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔"

"ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔"

"مذاق ختم کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے والے معاملے کے متعلق یقین دلایا جاسکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا۔ سمجھے.... اور اس کے بعد تم ٹیلی فون کے تار تو کاٹ ہی سکتے ہو۔"

"پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔"

"جو کچھ آج کرتے رہے ہو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔"

حمید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے تک ہوٹلوں اور ریستورانوں کے چکر کاٹتا رہا اور پھر جب کوٹھی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

"کچھ پتہ چلا۔" ڈاکٹر کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھائی صاحب جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں خدا کی پناہ.... حمید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔"

"کیوں! کس حال میں تھے۔" ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اُن کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سا لباس تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں چند لفنگوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یکلخت غصہ آگیا اور اُس کے ساتھ ہی اپنی آستین سمیٹنے لگے۔ ایک نے اُن سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کردوں۔ لیکن وہ مجھے الگ لے گئے اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوٹھی میں دھوئیں کا بم پھینکا جائے گا اور ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ کل دن بھر کوٹھی سے کمپاؤنڈ میں بھی نہ نکلیں۔"

"کیوں؟" ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

"پتہ نہیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟"

"اور دوسری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"محترمہ صبیحہ آپ کی ٹوہ میں رہتی ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" ڈاکٹر یک بیک چونک پڑا۔ اس کا یہ انداز نہ جانے کیوں حمید کو بہت پُراسرار معلوم ہوا۔

"انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم بیوقوف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔"

"اوہ....!" ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ ہنس کر بولا۔ "وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شریر ہے۔"

حمید نے پھر یہ بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویئے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بُری طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی ٹوہ میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حمید کو اس کا تھپڑ یاد آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ اُس سے اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اُسے نیند آگئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اُس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک سچ مچ کوٹھی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حمید کو توقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اُسے ٹیلی فون کی فکر ضرور تھی۔ تار غالباً اس لئے کٹوائے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی سے رابطہ نہ قائم کرسکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بناء پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی

دوسری جگہ سے بھی ٹیلی فون کے محکمے کو دلوا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں تار کاٹنے کا علم اُسے یقیناً طور پر ہو جاتا.... پھر.... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ گیارہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

آج حمید لڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے ملاقات ہو گئی تو وہ مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔ نگرانی کا خیال بھی نیا نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن تھا کیونکہ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تقریباً بارہ بجے ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اُتر کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک نوکر سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اس بات پر مصر ہوا کہ اُسے براہِ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں کھٹک گیا۔

ڈاکٹر لائبریری میں تھا۔ حمید جلدی سے راہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باہر لائبریری کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری طرف ڈاکٹر ایک آرام کرسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک بالشت اونچی تھی۔

"نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے کسی نے زہر دیا ہے۔"

"زہر دیا ہے۔" ڈاکٹر نے دہرایا۔

"جی ہاں اور محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر وہاں موجود ہے۔"

"تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔" ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"نہیں جناب.... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صبح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔"

"خود ہی آیا تھا۔" ڈاکٹر نے حیرت سے دہرایا۔ "اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔"

"جی ہاں.... کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" کرسی کھسکانے کی آواز آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اور جناب! کرنل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تمہاری باتیں بے ربط ہیں آخر کرنل فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اُس نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ انچارج اُسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی کوٹھری میں پہنچا تو وہ بیہوش پڑا تھا۔ کرنل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کا فون خراب ہے۔ انکوائری سے یہی معلوم ہوا تھا.... پھر سیدھا یہیں چلا آیا۔"

"نہیں فون تو ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "خیر کرنل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا گیا۔"

"موجود ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس بچ جائے گا....یا....!"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔"

"اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اُسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔"

"میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر ڈاکٹر نے کہا۔ "اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرنل وہاں سے رخصت ہو مجھے فوراً فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔"

حمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہٰذا اب اُس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

حمید پورچ میں کھڑا نووارد کی کار کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لائبریری ہی میں تھا۔ حمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا پھر لائبریری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ اپنے چہرے پر بدحواسی کے آثار پیدا کرتا رہا۔

پھر لائبریری میں داخل ہوتے ہی للکارا۔ ”ڈاکٹر کسی نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔“

ڈاکٹر نے بڑے پُر سکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کہے.... وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر سچ مچ اُس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپروائی کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

”اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”کچھ نہیں!“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں ڈال دیا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ سلامت سے کہو۔ وہ تار مہیا کر دے گا۔“

ڈاکٹر نے پھر کتاب کھول لی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اس نووارد کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کسے دیا گیا تھا۔ کیا اُسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گڈھ آیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچنا چاہا اور آج ہی اُسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ فون کو ٹسٹ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمید خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے ٹک گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے اغواء کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب.... وہ اُس پاگل سے بھی زیادہ پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے زیادہ اُس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"ڈاکٹر نجیب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں.... میں ہی ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی حکام کو لا کر باضابطہ کارروائیوں کی تکمیل کرے گا.... مگر....!"

"مگر کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے جانے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی آدھمکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اُسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نوعمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے بھی لاش دکھا دو۔" حمید بولا۔

"تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔" ڈاکٹر نجیب نے کہا جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسیور رکھ کر ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

دھوکا اور فائر

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ لیکن اس بار حمید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھو.... کون ہے۔"

حمید کو اس پر متحیر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اُس نے ریسیور اٹھالیا۔ البتہ اُس نے ڈاکٹر کو سچ مچ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی بلکہ صبیحہ کی آواز سے مشابہہ بھی تھی۔

"ہاں.... ڈاکٹر موجود ہیں! ٹھہریئے۔" حمید ماؤتھ پیس میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہوگئے تھے اور وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے حمید کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ڈاکٹر نجیب اسپیکنگ.... اوہ.... کیا.... کیسی لاش.... اچھا.... اچھا.... ہاں.... ہاں.... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید ٹھیک اُس کے سامنے بیٹھا سر کھجا تا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اُسے مخاطب کیا۔ "پہلے تم نے کس کا فون ریسیو کیا تھا۔"

"کال آپ ہی کی تھی۔" حمید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لہجے میں کہا۔

"کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔"

"کیا تھا....؟"

"اوٹ پٹانگ.... کہنے لگا نمبر اکیاون یا اکتالیس یا اور کوئی نمبر.... مجھے نمبر یاد نہیں.... بہرحال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنل سعیدی چلا گیا اور اب دوسرا کرنل سعیدی آیا ہے۔ کرنل سعیدی یا اور کچھ۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔"

"تم نے فون کے تار کیوں کاٹے تھے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی پیدا ہوگئی۔

"تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میں بہت زیادہ بیوقوف نہیں بن سکتا۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم دونوں اب مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتے۔"

"اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلا سکتی۔"

"تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔"

"میں مرتے دم تک آپ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ.... چلو اٹھو....!"

حمید اُٹھ کر اُس کے ساتھ ہولیا۔

ڈاکٹر اُسے عمارت کے باہر نہیں لے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلنا پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر دروازے پر نظریں جمادیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔''

''کون سی تحریر؟'' حمید نے پوچھا۔ وہ دروازے سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر تھا اور ابھی تک اُسے کوئی تحریر نظر نہیں آئی تھی۔

''یہ تحریر۔'' ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

حمید اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اُسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چبھتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اُسے ایک زوردار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جاگرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اور حمید نے سنبھلنے سے پہلے ہی تالے میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

''اب کچھ دیر آرام بھی کرو۔'' اُس نے ڈاکٹر کا قہقہہ سنا۔ ''تم بہت تھک گئے ہو گے۔''

حمید اٹھ کر دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب ندارد پھر وہ تاؤ میں آکر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ سارشتہ قائم کرنے لگا۔ مگر شائد ڈاکٹر جاچکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک کوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے حمید اندر داخل ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دور افتادہ تھا۔ حمید کو توقع نہیں تھی کہ کوئی نوکر بھی اُس کی آواز سن سکے، لہٰذا غل غپاڑہ بند کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے مواقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی عقلمندی سرزد نہیں ہو سکتی۔ بہر حال حمید کے غور و فکر کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ محض فریدی کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر وہ اُسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہر حال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن ہی واضح کر دی ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گھڑی اس کی کلائی پر موجود تھی لہٰذا وہ بہ آسانی اس بوریت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے ندارد اور اب گھڑی چھ بجا رہی تھی۔ حمید نے قطعی یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہوگا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو پھر اپنے آباؤاجداد تک کے خون کا انتقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نہ تو زرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر.... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بسکٹ مسلط تھا۔ اتنا بڑا بسکٹ جس میں سے خیرات بھی نکالی جاسکے۔

سات بج کر چھ منٹ پر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی خالی معدے کی اختراع ہے لیکن پھر یقین آ گیا۔ آواز دور کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے اُسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق پھاڑنے لگا۔

راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج اٹھی۔

"حمید....!" فریدی نے پھر آواز دی اور شائد اب وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا۔

"لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور حمید نے فوراً محسوس کیا کہ اس دروازے پر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔

"پوری عمارت میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرا ہی موجود ہونا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا ناموجود جو کچھ بھی قواعد کے رو سے کہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں کہاں ہیں۔"

"لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچا ڈاکٹر تو اُسے جہنم میں جھونکئے۔"

"حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید بے دلی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"نوکر بھی غائب ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

''وہ باورچی خانے میں ہوں گے۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔''

''آپ چلئے تو میرے ساتھ۔''

''لیکن تم یہاں.... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔''

''اجی نہیں توبہ کیجئے۔ آیئے تو میرے ساتھ۔''

فریدی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ دونوں باورچی خانے میں آئے اور حمید نعمت خانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔

''دیکھئے! آپ جب تک تلاش کیجئے۔'' حمید کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹھونس کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی جھلا گیا۔

''اگر پیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔''

''تو اسکا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بند رہے ہو۔'' فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''ہاں.... پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراقبہ میں تھا.... کیک لذیذ ہے۔''

''اچھا پہلے تم زہر مار کرلو پھر کچھ بتانا۔''

''خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھے۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

فریدی کی آنکھوں میں بے چینی مترشح تھی۔

''یہ دوسرا فریدی کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔ اُس کا منہ برابر چل رہا تھا۔

''تم جانتے ہو۔''

''میں کیا نہیں جانتا۔''

''ہاں....!'' فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''چوٹ ہوگئی۔ میں نے معاملات کو اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کار متعین کرلیا تھا۔ اُسی کا نتیجہ ہے۔''

''ہوا کیا۔''

''کسی نے کرنل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جاکر اُس پاگل تک رسائی حاصل کی جس کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً زبردستی اُسے زہر کا انجکشن دے دیا۔''

''پھر جب آپ پہنچے تو کیا ہوا۔''

"جب تک کہ ماتھر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز سمجھتے رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماتھر کو بلایا تھا۔"

"یہاں ڈاکٹر نے میری حجامت بنادی۔" حمید نے کہااور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

"کیاتم اُس آدمی کو پہچان لو گے جو یہاں آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یقیناً پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔"

"ہوں.... اچھا....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔"

"نہیں.... میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوسی ناول کا مزہ آجائے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا یہی بتادیجئے کہ ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔"

"بنیادی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اُس کے فرار کی وجہ حقیقتاً پاگل کی موت ہے۔"

"وہ پاگل کون تھا۔"

"وہ پاگل تھا ہی نہیں..... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔"

"ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایسا بدبخت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

کیک حمید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اُسے پانی کے گھونٹ اتارنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

"اب اگر آپ جہنم کی طرف بھی اشارہ کریں تو بے دریغ چھلانگ لگادوں۔"

فریدی تقریباً آدھے گھنٹے تک عمارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ کا رخ کیا۔ یہاں بھی اُس نے چند الماریاں کھولیں اور اُن میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلتا پھر رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گاڑی ہے یا نہیں۔"

حمید لیبارٹری سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ کر اُس نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شائد ہی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں چھٹی دے دی تھی۔

حمید گیراج میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک ریشمی رومال پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ رومال صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر اُلو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حمید اُسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھالیا۔

رومال کے ایک گوشے پر کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گرہ کھولی.... اور.... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر پنسل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

"جمال صاحب!" کاغذ پر تحریر تھا۔ "ڈیڈی سچ مچ پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے لے جارہے ہیں۔ ہم کہاں جارہے ہیں یہ آپ کو اُس نقشے سے معلوم ہوگا جو لیبارٹری کی تیرہ نمبر والی الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں.... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آیئے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں.... صبیحہ!"

حمید یہ تحریر پڑھ کر سرپٹ دوڑتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ دو میزیں الٹی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بہتیرے آلات کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

حمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ایک فائر کی آواز سنی، جو کمپاؤنڈ ہی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائر.... حمید نے جھپٹ کر تجربہ گاہ کی روشنی گل کر دی۔

اب اُس نے لیبارٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند

مخصوص قسم کی چیخیں سنی تھیں.... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیخیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ.... حمید دم بخود کھڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب

کمپاؤنڈ پر پھر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ حمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اُس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حوالہ صبیحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ.... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو درجن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، حمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

"اندر کون ہے۔"

"میں ہوں۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"دروازہ بند کر دو۔" اُس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

"کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"انہوں نے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور پر تجربہ گاہ ہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔"

"اور آپ بھی خاص طور پر تجربہ گاہ ہی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وجہ مجھے بھی بتائیے۔"

"ابھی بور مت کرو۔"

حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو

ساری الماریاں الٹنی پڑیں گی۔"

"کیا مطلب....!"

"مگر میں اُس الماری سے واقف ہوں جس میں وجہ بند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بڑبڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔"

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔وہ بہت واضح اور صاف تھا۔

"وہ مارا....!" حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

"میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔" حمید اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دہاڑا۔

فریدی نے جھپٹ کر اُسکا گریبان پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے اس کی گردن پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"واقعی میرے ستارے گردش میں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دن بھر بند رہا اور اس وقت..." وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے اُس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔

کیا فریدی کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کئے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اُس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بے ساختہ پلٹا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈیڑھ گز کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہنا بازو بھی رگڑتا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"شاک....!" فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تالے میں کرنٹ ہے۔"

اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیحہ نے اُسے بیوقوف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر "چھ" تھا۔

"آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ذرا لائٹ آف کر دو۔"

حمید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شائد پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آ رہی تھیں۔ جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹاکے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا۔ "لائٹ آن کرو۔"

حمید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری....

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"یہ کیا حماقت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تھی تو حماقت ہی! میں بیکار وقت ضائع کر رہا تھا۔"

"اب میری بھی کچھ سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بھی بکو۔" فریدی جھلا کر اُس کی طرف مڑا۔

حمید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خط اور نقشے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "یہ خط کہاں ملا تھا؟"

"گیراج میں....!" حمید نے کہا اور رومال کا قصہ بتاتا ہوا بولا۔ "رومال پر اُلو کی تصویر تھی، ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغرساں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ڈاکٹر ہمارا وقت برباد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود ہی کا آدمی سمجھتا ہے۔"

"تو کیا یہ سچ مچ کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"دفینہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے اُن چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھے

بھی کوئی علم نہیں ہے۔"

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔ "اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سنا تھا جو اُن لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی جاسکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض اوقات فریدی سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑی ہوگی۔"

"مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی الجھن بدستور بڑھتی رہی۔

"لاؤ.... وہ نقشہ تو لاؤ۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔ "میں اسے بھی وقت کی بربادی ہی سمجھتا ہوں لیکن چلو یہی سہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی.... اچھا آؤ۔"

"نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ بہت صاف ہے۔ لیکن.... وہ جگہ.... کیا ہوگی.... یہ نہیں کہا جاسکتا۔"

"کیسی جگہ....!"

"جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڈھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسلیئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہوگا...یا... آؤ.... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماتھر کو فون کر دوں۔"

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پٹرول بھی تھا۔ پٹرول کے دو بھرے ہوئے ٹن الگ سے بھی موجود تھے۔

حمید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کار سنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔

"ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر۔" حمید نے پوچھا۔

"دونوں....!"

"اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔"

"ہاں.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یار حمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... خیر ہٹاؤ.... پھر دیکھیں گے۔"

"نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"اندھیرے میں کیا دیکھو گے! ویسے تم یہ ضرور دیکھو گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"یعنی....!" حمید چونک کر مڑا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیڈلائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس لئے اُسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔"

"ضرور کھیلئے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "میرے مقدر میں تو ایک گراموفون بھی نہیں ہے کہ کالو قوال کے ریکارڈ ہی سننا شروع کر دوں۔"

"گھبراؤ نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ ورنہ وہ پاگل خانے میں کرنل فریدی بن کر کیوں داخل ہوتا۔"

"کیا وہ سردار محمود تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

"اتنا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میدانِ حشر کا مزہ آجائے گا۔"

"اور ڈاکٹر....!"

"ڈاکٹر....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ اس قابل ہے کہ ڈگڈگی بجا کر اُسے بندروں کے ساتھ نچایا جائے۔"

کار بدستور سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا۔ ”آگے ایک موڑ اور ہے اسکے بعد ہم سیدھے جائیں گے.... اوہو.... اب یاد آیا... وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو۔“

”کار کی روشنیاں بجھا دیجئے نا۔ سڑک صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اوہو.... انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔“

کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس کے پیچھے تھی۔

”ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ہڈی کی کھاد بنانے والی فیکٹری کی چمنی ہی ہے۔ داہنی طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُس چمنی کیطرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاف نظر آرہی تھی۔

کار چلتی رہی.... اچانک فریدی نے کہا۔ ”چار فرلانگ۔“

اور کار کی رفتار کم کر کے انجن بند کر دیا۔

”جلدی سے اُتر آؤ۔“ اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”اب میں سمجھ گیا۔ انہیں بھی ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو.... آؤ۔“

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آرہی تھی۔ اترائی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اُتر آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کار وہاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دھکیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلد ہی ہوئی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگ یہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں نظر نہیں آئیں....“ وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہو تا کہ کب کون آیا اور کب گیا کیونکہ اُس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کی

کوشش کر رہا تھا۔

"وہ وہاں پہنچ گئے۔" فریدی نے سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھناکا سا سنائی دیا۔ جیسے شیشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور چور ہو گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اُسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آئے گا۔

اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہٹیں سنیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ "تم یہاں ٹھہرو، جو بھی اِدھر آئے نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانکا۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چمٹے ہوئے اُس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود ابھی دوسرے سرے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اُسے برآمدے میں کوئی کودتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا یا جانور۔ گول مٹول سا۔ وہ اُسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دیر نہ لگی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ اس نے ایک بے جان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔

"آؤ....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"مگر یہ....!"

"اس کی پرواہ نہ کرو.... اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔"

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھے نہ جا سکیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہداری میں پہنچ گئے۔

سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا اور اُسے تین ایسے آدمیوں نے گھیر رکھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی خالی

الذہن ہو۔ وہ تین آدمی غالبًا اپنے اس غیر متوقع اقدام کا ردعمل معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر اُس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

زرینہ

حمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی ٹھنڈی سی چیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک ریوالور بڑھایا۔ حمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگلیاں جمادیں۔

"ڈاکٹر....!" اندر ایک قوی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ "یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔"

"میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔" ڈاکٹر کا لہجہ پُر سکون تھا۔ "تم دس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو.... دس سال سے....!"

"جاؤ انہیں تلاش کرو۔" اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید ایک طرف سمٹ گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے اُن کے سروں پر بیک وقت دو ضربیں پڑیں اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالوروں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جاگرا۔

"کمال.... جمال....!" ڈاکٹر کی مسرت آمیز چیخ تھی۔

لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

"سردار محمود! چہرے سے نقاب اتار دو۔" فریدی نے ریوالور کا رخ اُس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ "میری جیب میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔"

سردار محمود اپنا نقاب الگ کرتا ہوا بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو! ہم ایک ڈرامے کا ریہرسل کر رہے

تھے.... کیوں ڈاکٹر....!"

"ڈرامہ ختم ہو گیا۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو۔ کرنل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالیس کو زہر کا انجکشن دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔"

"کرنل فریدی.... تم....!" ڈاکٹر لڑکھڑا کر دیوار سے جالگا۔

حمید ہتھکڑیاں لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر کہا۔ "نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائر بھی کر سکتا ہوں۔"

"یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔" سردار محمود چیخا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ پاگل نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُس بیچارے کو کئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن کر اُس کی کوٹھری میں داخل ہوئے اور تم نے اُسے زہر کا انجکشن دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر ہو کیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو تاکہ میں اطمینان سے یہ داستان سردار محمود کو سنا سکوں۔"

حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔ سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب ہتھکڑیاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "جو کچھ کہہ رہے ہو اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔"

"ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے ذی اثر لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکتی۔"

"مجھ پر جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے۔" سردار محمود نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے.... ڈاکٹر تم کہاں چلے.... بیٹھو.... ورنہ تمہارا حشر بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا۔"

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گلا صاف کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہرسل کر رہے تھے۔"

"مگر ڈاکٹر! کیا یہ ریہرسل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ٹرین پر بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کا ریہرسل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کا ریہرسل اور اب یہ ریہرسل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب اسٹیج

نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پاگل خانے میں زہر کا انجکشن دینے کا ریہر سل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پاگل نمبر چوالیس کے بازو پر عقیق کا ایک بڑا سا مہرہ بھی موجود ہے اور وہ بو کھلاہٹ میں اُس پر اپنے انگوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ آئے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہر سل سے محروم رہوں۔ لہٰذا آج جب سر دار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائنگ روم میں لائم جوس پی رہے تھے میں ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ گلاس ختم کر کے وہاں سے ہٹے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چرایا ہوگا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پرنٹ کے ایکسپرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سر دار محمود! کیا ڈرامہ اسٹیج ہو سکے گا۔"

سر دار محمود اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"اب تم بکو ڈاکٹر.....!"

"کیا تم سچ مچ کرنل فریدی ہو۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ اُن دونوں میں سے وہ لڑکی کون ہے!"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں اُس لڑکی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے دھمکائے جاتے رہے ہو..... ڈاکٹر جلدی کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"زرینہ.....!" ڈاکٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

داستان

کمرے میں ڈاکٹر، فریدی اور حمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرے کمرے میں بند کر دیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماتھر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اُسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ٹہل ٹہل کر کہہ رہا تھا۔ "میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔"

"میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "مگر تم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"آہا خوب یاد آیا....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر.... وہ غالباً تیرہ نمبر کی الماری میں تھا اور چھ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔"

"وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔" ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور چھ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جن سے یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میں حقیقتاً کون ہوں۔" زرینہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سگے بھائی تھے۔ سردار ہاشم سردار محمود سے زیادہ مالدار تھا۔ آج بھی جنوب میں اس کی چاندی کی کئی کانیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت کوشش کی کہ اس کی بیوی کو ختم کر دیا جائے، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اس کا ایک ہمدرد بھی تھا.... ایاز.... وہ سردار ہاشم کا منیجر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔ ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب اُن دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایاز اُن ماں بیٹیوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بدنام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور اُن کے حلئے مشتہر کرا دیئے۔ ایاز میرا پرانا شناسا تھا اس کی یہ بدنامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دنوں بعد ختم ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری طور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں بیمار پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ملتوی کرنا پڑی لیکن بچی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پاگل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا تھا

کہ دوسروں پر اتنا اثر نہ ہوتا ہو مگر میں تو قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے توقع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبارہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہو گئی۔ اُس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا چکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا اظہار کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہیضے کا شکار ہو کر فوت ہو چکی تھی لیکن بچی کو ایاز اب بھی سینے سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی بچی کی طرح پالوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہوگا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ کی درستگی بھی نہیں کرائی گئی تھی، لہٰذا ایک بچی اُسی پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو جب اُس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ میں بھی نیم رضامند تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچی ہمارے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر دوسری مصیبت نازل ہوئی یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی بیمار ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل بسی۔ بہر حال اس واقعے سے محکمہ سراغ رسانی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی لہٰذا میں اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آ گیا۔ میرے اعزہ کو دو لڑکیاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ شائد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خط لکھ دیا تھا۔ بہر حال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھ ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگوئیوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرے رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایاز میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اُس کے پیچھے تھے۔ اُس نے کچھ کاغذات میرے سپرد کئے اور استدعا کی کہ میں اُسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں.... اُس نے بتایا کہ اُسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی حجامت اپنے ہاتھوں سے بنا سکے۔ میں نے بھی سوچا تدبیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اُسے پاگل خانے میں داخل کرا دیا۔ سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ لڑکیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ

میگوئیاں ہو چکی تھیں۔ اُسے شک ہو گیا اور اُس نے ہر ہر طرح سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ مجھے ڈراتا دھمکاتا بھی رہا۔ دونوں لڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دفینے کی داستان تراشنی پڑی۔ وہی داستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔"

"مجھے اُس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔" صبیحہ بولی۔

"تم خاموش رہو۔" ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ "نہ سردار محمود ان واقعات کی اطلاع پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اسلئے نہیں دے سکتا تھا کہ اُس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ قابض رہنے کیلئے چپ چاپ لڑکی کو ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اسلئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردار محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن میں تنگ آکر لڑکی کو اُس کے سپرد کر دوں گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بھتیجی کون ہے۔ وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود ابھی تک ایک دوسری کو سگی بہنیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ ان دونوں ہی کو ختم کرا دے۔ لیکن .... خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولد ہے اور اب اُس کا رخ پھانسی کے تختے کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اُس کی دونوں جائیدادوں کی مالک بنے گی۔"

"ارے.... واہ....!" صبیحہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "بڑی آئیں کہیں کی۔ کیا میں کہیں مر گئی ہوں۔ سردار محمود کی جائیداد میں لوں گی۔ اتنی جائیدادیں کیا کلیجے میں بھریں گی۔ اری واہ رے میری بلبل یہ رونا کیسا۔" وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو خشک کرنے لگی۔

"صبیحہ....!" ڈاکٹر بگڑ گیا۔ "اُسے پریشان نہ کرو ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔ اسلئے کہ وہ میرا شاہکار ہے۔ اُسے میں نے جیسا بنانا چاہا بن گئی اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہو۔"

"میں بیوقوف بن گئی ہوں ڈیڈی۔" صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ "سردار ہاشم کی بیٹی میں ہوں۔ آپ خواہ مخواہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔"

"ارے کم بخت یہ کیا کہتی ہے۔" ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "اگر تو نے یہ بات کہی تو میرے فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تم سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر.....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ صبیحہ تمہاری ہی لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی ڈائری جسے تم نے اپنی تجربہ گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ سردار محمود کا ہاتھ اُس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔"

"رشوت.....رشوت.....میں کبھی نہ مانوں گی۔" صبیحہ شور مچانے والے انداز میں بولی۔

"اوہ.....واقعی۔" ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "میں بالکل گدھا ہوں۔"

"تب میں آپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔" صبیحہ نے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بے ساختہ ہنس پڑے اور ڈاکٹر دانت پیستا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کو رام گڈھ کی پولیس کے متعلق ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار ہاشم کی بیوی اور بچی کا پتہ نہیں لگا سکتی اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمود ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرانے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہوگا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن اُسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اُس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہٰذا اُسے اسی میں بہتری نظر آئی کہ وہ ایاز ہی کا خاتمہ کر دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سازش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد